زندگی: پاکستان میں سب سے ارزاں شے

تحریر: سہیل احمد لون

2005ء میں کرسمس کی چھٹیوں سے قبل جرمنی میں معمول کے مطابق برف باری زوروں پر تھی اور درجہ حرارت منفی بارہ سینٹی گریڈ تھا۔ میں فرینکفورٹ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے میں رہائش پزیر تھا۔ میرا ہمسایہ ویٹو (VITO) جس کا تعلق برازیل سے تھا شاپنگ کر کے اپنے کتے کے ساتھ گھر لوٹا' میں بھی شاپنگ کی غرض سے گھر سے نکل رہا تھا کہ دروازے کے سامنے ویٹو سے ملاقات ہوگئی، وہ کافی افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ شاپنگ کے لیے سٹور پر گیا جہاں کرسمس کی چھٹیاں شروع ہونے کی وجہ سے خاصا رش تھا۔ اس نے گاڑی سٹور کی اوپن پارکنگ میں پارک کی، کتے چونکہ سٹور میں لے جانے کی اجازت نہ تھی سو اس نے اپنے کتے کو گاڑی میں ہی رہنے دیا، کسی جرمن عورت نے جب کتے کو گاڑی میں اکیلے دیکھا تو وہ اپنی شاپنگ بھول گئی اسے کتے پر بڑا ترس آیا کہ وہ شدید سردی میں گاڑی میں مقید ہے۔ پہلے اس عورت نے سٹور میں جا کر مینیجر سے بات کی جس کے اعلان پر بھی ویٹو گاڑی تک نہ آیا تو اس عورت نے پولیس کو فون کر دیا۔ جب ویٹو (VITO) شاپنگ سے فارغ ہو کر اپنی گاڑی کے پاس پہنچا تو وہاں عورت سمیت دو پولیس آفیسرز بھی موجود تھے۔ ویٹو نے تقریباً چالیس منٹ گاڑی وہاں پارک کی تھی اور کتے کو اکیلے چھوڑ کر شاپنگ کے لیے چلا گیا۔ پولیس آفیسرز نے ویٹو سے کچھ پوچھ پڑتال کرنے کے بعد اسے تحریری وارننگ دی۔ اگر آئندہ وہ کبھی پالتو جانور کی دیکھ بھال میں غفلت کر مرتکب ہوا تو اس سے پالتو جانور رکھنے کی اجازت سے محروم کر دیا جائے گا اور جرمانہ بھی کیا جائے گا۔ ویٹو اپنی اس غفلت پر بڑا شرمسار تھا اور بار بار اپنے کتے سے معافی مانگ رہا تھا۔ کتا بھی دم ہلا کر ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا جیسے اسے معافی دینے میں کوئی نخرہ دکھا رہا ہو۔ میرے ساتھ ایک سردار صاحب بھی تھے جنہوں نے ویٹو کی حالت اور کتے کی قدر و منزلت دیکھ کر کہا کہ اگلے جنم میں پرماتما مجھے کتا بنا کر مغربی ممالک میں پیدا کرے تو میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھوں گا۔ گزشتہ برس برطانیہ میں ایک عورت میری بیل (Mary Bale) کو اپنی بلی کوڑے کے ڈبے میں پھینکنے پر عدالتی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔ عدالت نے اسے کیس پر اٹھنے والے 1171 پاؤنڈز کے علاوہ 250 پاؤنڈز جرمانے کی رقم ادا کرنے کی سزا تجویز کی' اس کے علاوہ پانچ برس تک کوئی پالتو جانور رکھنے پر پابندی عائد بھی کر دی۔ دنیا میں ایک طرف تو ایسی ریاستیں بھی ہیں جو اپنی سرزمین پر کتے بلیوں کی جان کی حفاظت کا اعلیٰ معیار قائم کیے ہوئے ہیں جس میں غفلت برتنے پر انسانوں کو سزا مل جاتی ہے۔ دوسری طرف اسلامی ریاست ہونے کا دعویٰ کرنے والی ایسی ریاستیں بھی ہیں جہاں حکمران طبقے کو اپنی جان اور اقتدار کی حفاظت کے علاوہ عام آدمی کی جان کی پروا نہیں۔ گزشتہ دنوں راولپنڈی میں ایک نوزائیدہ بچے کو ہسپتال میں چوہا کاٹنے کا شرمناک' افسوسناک اور قابلِ مذمت واقعہ پیش آیا، مانگا منڈی کے قریب وین کا سلنڈر پھٹنے سے 7 مسافر موقع پر ہی ہلاک ہوگئے باقی درجن سے زائد شدید زخمی ہوئے۔ ہماری غریب عوام کی بہادری کی مثال نہیں ملتی جو سفری سہولت کے لیے چلتے پھرتے میزائل پر بیٹھنے سے بھی نہیں گھبراتی۔ گیس پر ذرائع نقل و حمل کے استعمال میں وطن عزیز دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے مگر افسوس کہ یہاں کرپشن مافیا اس بارے میں توجہ نہیں دیتا کہ گیس

سلنڈر ہیلتھ اینڈ سیفٹی کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر لگائے گئے ہیں یا نہیں؟ گاڑیوں کے سلنڈر پھٹنے کے واقعات اب معمول کی بات بن چکے ہیں شاید دہشت گردی اور مہنگائی کے دور میں عوام کو غوری میزائل پر بٹھا کر منزل مقصود پر روانہ کر دیا جائے تو انہیں خوف نہ آئے۔ کرپشن مافیہ نے ناکارہ جہازوں کے فٹنس سرٹیفکیٹ جاری کیے جس سے متعدد فضائی حادثات رونما ہوئے گزشتہ برس بلیو ایر لائینز کا طیارہ مارگلہ کی پہاڑیوں میں گر کر تباہ ہو گیا۔ جتنی دیر تک جہاز کے ملبے کا دھواں فضا میں بلند ہوتا رہا، ذمہ داران کے خلاف کارروائی کا شور بھی بلند ہوتا رہا جیسے ہی دھواں ختم ہوا، کارروائیوں کا مطالبہ بھی بیٹھ گیا۔ گزشتہ برس جب کلر کہار کے قریب طالب علموں سے کھچا کھچ بھری بس کو حادثہ پیش آیا اس وقت بھی حکمران طبقے کی طرف سے ایسے ایسے دعوی دیکھنے میں آئے کے خدا کی پناہ مگر آج بھی ایسی گاڑیاں اوورلوڈنگ کے ساتھ موت کے سفر پر رواں دواں ہیں۔ کراچی کی گارمنٹس فیکٹری میں آگ لگنے کا واقع ہوا جس میں سینکڑوں غریب اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر مستقبل میں آگ لگنے سے بچاؤ یا آگ لگنے کی صورت میں ہنگامی بنیادوں پر جان بچانے کا لائحہ عمل تیار نہ کیا گیا۔ گزشتہ دنوں کراچی میں سٹیٹ لائف لی بلڈنگ میں آگ لگی تو وہاں انٹرویو کے لیے آئے ایک نوجوان نے آٹھویں منزل سے کھڑکی سے کود کر جان بچانے کی کوشش کی۔ آگ سے تو بچ گیا مگر موت سے نہیں۔ آگ کے منظر کو کیمرے کی آنکھوں میں محفوظ کرنے کے لیے میڈیا کے لوگ جان بچانے والے عملے سے پہلے پہنچ گئے۔ نوجوان کی موت کے منظر کو ریٹنگ کے لیے فوری خبروں کی زینت بنا دیا گیا۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کو شاخ سے ٹوٹے پھل کی طرح گرتے دیکھ کر کسی ماں پر کیا گزرے گی کسی نے نہیں سوچا؟ بے حسی کا یہ عالم ہو چکا ہے کہ کسی کی جان بچانے سے زیادہ ترجیح مرنے کو منظر کو کیمرے میں محفوظ کرنے پر دی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جس نے ایک جان بچائی اس نے ساری انسانیت کی جان بچائی مگر ہماری جان اتنی ''بے قیمت'' ہو چکی ہے کہ اسے بچانے میں ریاست اپنا ''قیمتی'' وقت برباد نہیں کرنا چاہتی۔ جن معاشروں میں جان کی قدر و قیمت ہوتی ہے وہاں عمارت، پل، سڑک، گاڑی یا جہاز کوئی چیز بھی تیار کی جائے ہیلتھ اینڈ سیفٹی کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر تیار کی جاتی ہے، دوران استعمال بھی مخصوص مدت کے بعد ان کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ اور ایسا صرف وہاں ہوتا ہے جہاں ''سیکیورٹی فار سیفٹی'' کے فارمولے پر یقین کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں سیکیورٹی تو ہے مگر ان کے ذمہ صرف مخصوص طبقے کی سیفٹی ہے۔ جن ممالک میں ریاست جانوروں سمیت انسانوں کی جان و مال کی ذمہ دار بنتی ہے ان کی عوام کے ساتھ کوئی غیر انسانی سلوک کرنے پہلے سو بار سوچے گا۔ مگر جہاں ریاست عوام کی جان و مال کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو جائے وہاں بیرونی و اندرونی جارحیت کے واقعات ہونا معمول کی بات بن جاتی ہے۔ مہذب معاشرے اور انسانی حقوق کے علمبردار اپنے ممالک میں کتوں، بلیوں پر بھی تشدد برداشت نہیں کرتے مگر بعض ممالک کے لیے ان کی پالیسی کا معیار بدل جاتا ہے جس کی ایک وجہ ان ممالک کے حکمرانوں کا اپنی عوام کے ساتھ غیر مساویانہ رویہ ہے۔ جس عوام کے جان و مال، عزت و ناموس کا ذمہ ریاست نہ اٹھائے اسے بیرونی طاقتوں کے ستم سے کون بچائے گا؟ قدرتی وسائل سے مالا مال پاکستان کو حکمران طبقے کے پیدا کردہ مسائل کا سامنا ہے جن میں جان و مال، عزت و ناموس کی حفاظت کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ غریب عوام کا خون پانی سے بھی سستا ہو چکا ہے۔ عوام کے ووٹ اور پیسے سے عوام پر راج کیا جا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ عوام انہیں اپنے سیاہ سفید کا مالک بار بار بنا دیتے ہیں جن کے کرتوت کالے اور خون سفید ہوئے بھی مدت گزر چکی ہے

۔پاکستان کی بدترین معاشی صورت حال میں بھی جو شے سب سے ارزاں ہے وہ صرف اور صرف انسانی زندگی ہے اور یہ صرف کراچی تک ہی محدود نہیں پاکستان کا ہر شہر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ کراچی بنتا جا رہا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

01-12-2012

sohailloun@gmail.com